ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

ادب، کلچر اور پاکستانی کلچر: ڈاکٹر جمیل جالبی کی نظر میں

LITERATURE, CULTURE AND PAKISTANI CULTURE: IN THE VIEWS OF DR. JAMIL JALBI

***فوزیہ شہزادی**
پی ایچ۔ڈی اُردو (سکالر)، شعبۂ اُردو
گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

****ڈاکٹر محمد امجد عابد**
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

*****پروفیسر ڈاکٹر محمد آصف اعوان**
شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Abstract:
Dr. Jamil Jalbi is known as School of Criticism and an era of Scholars. Admit Dr. Jamil Jalbi as a distinguish critic. His criticism technique is crystal clear and to the point beyond meaningless details. He is one of the adept in narrative and specific in objectives. He has created potentially food for thought questions on language, culture, civilization and Pakistani culture and then answered all those questions with justification and authenticity. He is one of the leading figures among Pakistani critics on culture and its related issues. Authors has critically evaluated all the related thesis in this article. This article provides a deep insight on views of Dr. Jamil Jalbi regarding culture and Pakistani culture. The focus of the authors is to provide an advocacy that languge, civilization, culture and Pakistani culture regarding Jamil Jablbi as reference and authority.

Keywords: Jamil Jalbi, Culture, Criticism, Religion, Praxis, Civilization

کلیدی الفاظ: جمیل جالبی، کلچر، ادب، تنقید، مذہب، رسم ورواج، تہذیب

ڈاکٹر جمیل جالبی(۱۹۲۹ء۔۲۰۱۹ء) کا شمار اردو ادب کے ان مایہ ناز ناقدین میں ہوتا ہے جن کی تنقیدی صلاحیتوں کا ایک زمانہ معترف ہے۔ایک ناقد کی سب سے بڑی خوبی اس کا غیر جانبدارانہ رویہ ہوتا ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی اپنی تنقید کے تناظر میں اس خوبی سے معمور دکھائی دیتے ہیں۔وہ کسی قسم کی گروہ بندی سے اجتناب کرتے ہوئے تنقید کرتے ہیں شاید یہی وجہ ہے کہ ان کی تنقید کو ہر مکتبہ فکر کے فرد نے پڑھا اور پسند کیا۔طبقاتی تفاوت، مطلب پرستی، خود غرض بندشوں سے ان کی تنقید آزاد ہے۔وہ کسی شخص کے فکری محاسن اور خامیوں کا فیصلہ خالصتاً تنقیدی بنیادوں پر کرتے ہیں۔جانبدارانہ رویوں اور ذاتی پسند و ناپسند کو بالائے طاق رکھ کر وہ منصب تنقید سرانجام دیتے ہیں۔زیادہ تر ناقدین اور محققین ان کی تنقید سے متفق دکھائی دیتے ہیں اور جو افراد ان کے خیالات سے متفق نہیں وہ بھی ان کی تنقید کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے۔ان کے تنقیدی مضامین میں اخذ شدہ نتائج کا رد تو کیا جاسکتا ہے لیکن ان کی اہمیت سے یکسر انکار ممکن نہیں۔ڈاکٹر جمیل جالبی کی تنقید کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ انہوں نے نظریاتی سطح پر تنقید میں نئے تصورات پیش کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ فن پاروں پر عملی تنقید تک خود کو محدود رکھا۔سادگی اور الجھاو سے پاک رکھنے کے اس عمل سے ان کی تنقید قدآور اور معیاری ہو جاتی ہے۔پروفیسر ڈاکٹر نعیم تقوی اپنے مضمون "ڈاکٹر جمیل جالبی بحیثیت تنقید نگار" میں لکھتے ہیں:

> "میں نے ڈاکٹر جمیل جالبی کی تحریروں میں ایک خاص بات یہ محسوس کی ہے کہ وہ بعض سر برآوردہ فنکاروں کی طرح اپنے موضوعات کے ابلاغ کے لئے عمیق فلسفیانہ گھتیوں سے گریزاں رہتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ فلسفہ تحریر کو استحکام بخشتا ہے اور قاری کو منطقی اعتبار سے بھی مطمئن کرتا ہے گویا یہ ایسا طریقہ کار ہے جو علمی طور پر رفیع وقیع بھی ہوتا ہے اور موثر بھی۔ لیکن ڈاکٹر جمیل جالبی جنہیں فلسفہ سے بھی گہرا لمس ہے اپنی تحریروں کو نہایت سادہ، سلیس اور نفیس انداز سے پیش کرنے میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔فلسفہ اور نفسیات کے گہرے مطالعے کے بعد بھی ان کا یہ انداز اختیار کرنا ان کا ایسا طریقہ ابلاغ ہے جو آسانی سے پیدا نہیں ہو سکتا۔سلاست،روانی اور شگفتگی کے عناصر سے ان کی تحریریں بڑی ہی دلکش اور جاذب ہوگئی ہیں"(۱)

ڈاکٹر جمیل جالبی کی تنقید کا ایک اہم زاویہ ان کی تنقید کا اسلوب ہے۔وہ مشکل سے مشکل بات آسان پیرائے میں کہنے کا ہنر جانتے ہیں۔دقیق تنقیدی مضامین کو انہوں نے اپنے اسلوب سے آسان فہم بنا دیا ہے۔الفاظ کے چناو کو وہ بالکل سادہ رکھتے ہیں اور اپنی تنقید کو تفہیم کی الجھنوں سے بچاتے ہوئے قاری کے دل ودماغ تک پہنچ جاتے ہیں۔کرخت اور ناپسندیدہ الفاظ ان کے ہاں ناپید ہیں مگر اس کے باوجود ان کی تنقید کا انداز بےلاگ ہے جو اپنے آپ میں ان کے فنی معیار کی بلندی کی ایک سند ہے۔وہ اپنے چنیدہ موضوع پر تنقیدی خامہ فرسائی کے لیے جو زبان چنتے ہیں وہ اتنی سلیس ہے کہ ان کا نکتہ نظر عمدگی سے واضح ہو جاتا ہے۔

لفظوں کے برتاؤ کے سلسلے میں ڈاکٹر جمیل جالبی نے جس خوبصورت اسلوب سے کام لیا وہ لفظوں اور زبان کے تئیں ان کے رجحان کا بین ثبوت ہیں۔ان کے نزدیک یہ کسی خطے کی زبان اور اس کا ذخیرہ الفاظ ہی ہے جو اس اس خطے اور سماج کے رازوں کو عیاں کرتا ہے۔تہذیبی تاریخ ہو یا سماجی زبان کے مطالعے سے ناصرف اس خطے کے کلچر یعنی ثقافت کو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

بہتر انداز سے سمجھا جا سکتا ہے بلکہ اس کی قدیم ترین تاریخ کی تفہیم کے لیے بھی یہ نہایت اہم کڑی ہے۔وہ زبان کو کسی خطے کی تاریخ میں قرار واقعی ستون کی حیثیت دیتے ہیں۔زبان کے الفاظ کو وہ جس احتیاط سے تنقیدی مضامین میں برتتے ہیں اسی قدر احتیاط سے وہ زبان کی تاریخ اور اس کے کسی خطے کی ثقافت میں کردار پر بھی توجہ دیتے ہیں۔زبان اور کلچر دراصل ان کی تنقید کے اہم ترین موضوعات میں سے ایک ہے۔

زبان اور کلچر ڈاکٹر جمیل جالبی کے نزدیک وہ عناصر ہیں جو کسی بھی خطے کی تہذیب و تاریخ کے امین ہوتے ہیں۔اپنے تنقیدی سفر کے آغاز ہی میں انھوں نے اس موضوع کی طرف توجہ کی اور اس پر اتنا لکھا کہ انھیں باقاعدہ لسانی محقق و نقاد تسلیم کرنے میں کسی کو کوئی عار نہیں۔کلچر یا ثقافت ڈاکٹر جمیل جالبی کے اہم ترین تنقیدی موضوعات میں شامل ہے بلکہ یہ کہا جائے کہ کلچر ہی دراصل وہ تناور درخت ہے جس پر ان کی تنقید کے تمام پھلوں نے آہستہ آہستہ نمو پائی تو غلط نہ ہو گا۔کلچر پر ڈاکٹر جمیل جالبی کی تنقید کا مطالعہ کرنے سے پہلے بر محل معلوم ہوتا ہے کہ کلچر یا ثقافت کی تعریفات کا جائزہ لے لیا جائے۔

فہیم اعظمی کلچر کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "یہ ایک کلیہ ہے جس میں عقائد، آرٹ، اخلاقیات، قانون، رسم ورواج، آدمی کے عادات وخصائل، جو سماج کا فرد ہونے کی حیثیت سے اس میں پائے جاتے ہیں، وغیرہ اس میں شامل ہوتے ہیں۔"(۲)

ڈاکٹر وزیر آغا کلچر کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "کلچر کا لغوی مفہوم تو کاٹ چھانٹ ہے جب آپ اپنے پھولوں کی کیاری کو جڑی بوٹیوں سے پاک کرتے ہیں۔پودوں کی تراش خراش کرتے ہیں اور پھولوں کو کھلنے کے پورے مواقع مہیا کرتے ہیں تو گویا کلچر کے سلسلے میں پہلا قدم اٹھاتے ہیں۔مگر اس ایک مبارک قدم کے فوراً بعد آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ ایک "دوراہے" پر آ گئے ہیں۔یہاں سے ایک راستہ تو ایگریکلچر کی طرف جاتا ہے اور دوسرا کلچر کی کارکردگی کو انسانی فطرت کے سلسلے میں فعال بنا دیتا ہے۔بنیادی طور پر انسان کا باطن ایک جنگل کی طرح ہے جو جذبات کی خاردار جھاڑیوں سے اٹا پڑا ہے اور جس میں سے راستہ بنانا بڑے جان جوکھوں کا کام ہے۔انسان کے وہ تخلیقی اقدامات جس کی مدد سے اس نے اپنی ذات کے گھنے جنگل میں راستے بنائے اور پھر ایک مسلسل تراش خراش کے عمل سے ان راستوں کو قائم رکھا، کلچر کے زمرے میں شامل ہیں۔"(۳)

نظیر اکبر صدیقی کے خیال میں ثقافت کا مفہوم کچھ اس طرح ہے:

> "ثقافت کسی قوم کے ان تمام اصول واقدار، عقائد وضوابط اور اعمال واطوار کے مجموعے کا نام ہے، جن سے کسی قوم کی امتیازی خصوصیات عبارت ہوتی ہیں۔"(۴)

درج بالا تمام تعریفات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ثقافت، رسم و رواج اور اطوار ہی ہیں جو ایک قوم کو دوسری قوم سے الگ کرتے ہیں۔اگرچہ ثقافت ایک سراسر جغرافیائی خصوصیت ہے مگر اس میں مذہب کا عمل دخل بھی ہو سکتا ہے جو کسی خطے کی ثقافت کو متاثر کرتا ہے۔ان تمام تعریفوں کے بعد آیئے اب ڈاکٹر جمیل جالبی کی نظر میں کلچر کی ماہیت کا مطالعہ کرتے ہیں:

> "کلچر" کا لفظ مختلف موقعوں پر اتنے مختلف معنی میں استعمال ہوتا رہا ہے اور اس لفظ کے ساتھ ہر معاشرے کے اتنے بہت سے بنیادی مسائل وابستہ ہیں کہ اس لفظ کے معنی ہی مبہم ہو گئے ہیں۔ویسے بھی آپ مجھ سے یہ توقع رکھتے ہوں گے یہ کہ لفظ کلچر کی میں ایسی جامع و مانع تعریف مختصر و مخصوص الفاظ میں کر دوں کہ آپ کی سمجھ میں فورا آ جائے کہ کلچر کیا ہے؟ مجھے آپ کی خواہش کا پورا پورا احترام ہے لیکن ساتھ ساتھ اس بات کا بھی احساس ہے کہ آپ کی خواہش بالکل ایسی ہے جیسے آپ کسی لغت میں "گربہ" کے معنی "بلی" اور "سگ" کے معنی "کتا" دیکھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں اور ان معنی سے اس چیز کی تصویر، جو آپ پہلے دیکھ چکے ہیں، ایک دم آپ کے سامنے آ جاتی ہے۔لیکن کلچر کے سلسلے میں مشکل یہ آ پڑی ہے کہ یہ زندگی کی سب سے اہم اور بنیادی چیز ہے۔اسے آپ خوشبو کی طرح سونگھ سکتے ہیں، ہوا کی طرح محسوس کر سکتے ہیں لیکن اشیاء کی طرح اس کی کوئی تصویر نہیں بنا سکتے۔"(۵)

کلچر ایک ایسی شے ہے جو کسی قوم کے طرز بودوباش، رسوم و رواج، زبان اور جغرافیائی خصوصیت سے مل کر تشکیل پاتا ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی کے نزدیک تو آلات ، اوزار، برتن، عمارات اور تمام تر بے جان اشیا، جو انسان نے اپنی ضروریات کے لیے ایجاد کیں، بھی کلچر ہی کا حصہ ہیں۔ان کے مطابق کلچر یا ثقافت وہ طرز عمل ہے جس میں اشتراک کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔اس ضمن میں وہ روز مرہ زندگی سے مثالیں پیش کرتے ہیں۔ان کے مطابق اگر کوئی شخص اپنی انفرادی حیثیت میں کوئی عمل کرتا ہے تو وہ کلچر کی ذیل میں نہیں آئے گا لیکن اگر وہی عمل معاشرے کے زیادہ تر افراد سرانجام دیں تو وہ ثقافت یا کلچر کہلائے گا۔وہ لکھتے ہیں:

> "جب میں گھر سے باہر جاتا ہوں تو دایاں پیر پہلے رکھتا ہوں، یہ میرا انفرادی معاملہ ہے، لیکن اگر معاشرے کے افراد عام طور پر گھر سے باہر جاتے وقت، نیک شگون کے طور پر، دایاں پیر پہلے باہر رکھنے لگیں تو اس عمل سے افراد کے طرز عمل میں باضابطگی پیدا ہوجائے گی اور یہ عمل کلچر کے ذیل میں شمار ہو گا"(۶)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

دیگر معاشروں اور مذاہب کے کلچر کا بھی ڈاکٹر جمیل جالبی نے عمیق نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ پاکستانی کلچر کی وضاحت کرتے ہوئے وہ ہماری ثقافت کا دنیا کی دیگر ثقافتوں سے موازنہ بھی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ پارسی کمیونٹی کے چند مخصوص ثقافتی پہلوؤں کا ذکر کرتے ہیں جیسے کہ پارسی صبح سویرے اٹھ کے' جب سڑکیں سنسان ہوتی ہیں اور صبح کاذب کا وقت ہوتا ہے تو اپنے گھروں کے باہر دہلیز پر چونے سے نقش ونگار بنا دیتے ہیں یہ طرز عمل تمام تر پارسیوں کے ہاں یکساں طور پر موجود ہے اس لیے اسے ان کے کلچر کا ایک جزو شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا بھر میں کچھ عالمگیر ثقافت بھی پائی جاتی ہے۔ یعنی وہ طرز عمل جو تمام دنیا کے انسانوں میں مشترک ہے مثلا تمام انسان خواہ کسی رنگ، نسل یا قوم سے تعلق رکھتے ہوں اگر انہیں گالی دی جائے تو انہیں لامحالہ طور پر غصہ ضرور آئے گا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ان خصوصیات کو انسانی کلچر سے تعبیر کیا ہے۔ تاہم وہ اس خیال کے بھی حامی ہیں کہ ان اطوار کو کلچر سے زیادہ انسانی جبلت اور حسیات کے ذیل میں رکھنا چاہیے۔

اپنے تنقیدی مقالات میں ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی تحقیقی صلاحیتوں کا بھی بھرپور استعمال کیا ہے۔ اپنی تصنیف "پاکستانی کلچر" کے باب دوم "کلچر کیا ہے؟" میں اگرچہ انہوں نے کلچر کی جامع تعریف کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے تاہم وہ اپنی تحقیق کے نتائج کا استخراج اپنی تنقید میں کرتے ہوئے اس خیال کے بھی حامی ہیں کہ دراصل لفظ کلچر کی کوئی جامع تعریف اب تک کی ہی نہیں جا سکی۔ اس ضمن میں انہوں نے علم الانسان کو مد نظر رکھ کے لکھی گئی ایک انگریزی کتاب کا حوالہ پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں، لگ بھگ چھ سو کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد، یہ رپورٹ پیش کی گئی ہے کہ زیادہ تر ادبیات سے متعلق کتب میں لفظ کلچر کا استعمال ہی نہیں کیا گیا۔ کیونکہ یہ لفظ ہی مستعمل نہیں لہذا اس کی کوئی جامع و مانع تعریف بھی نہیں کی گئی۔ گویا یہ صرف اردو زبان ہی کی ادبیات نہیں بلکہ دنیا بھر میں اس لفظ کی وضاحت اور انسانی تہذیب پر اس کے اثرات کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ کلچر یا ثقافت کے موضوع پر طویل اور سیر حاصل مباحث کے بعد ڈاکٹر جمیل جالبی نے کلچر کی جو تاریخ متعین کی ہے وہ کچھ اس طرح سے ہے:

> "کلچر اس ذہنی، مادی، خارجی طرز عمل کے اظہار کا نام ہے جو باضابطگی کے ساتھ معاشرے کے افراد میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ طرز عمل کی یہی باضابطگی اسی معاشرے کے کلچر کو ظاہر کرتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ایک معاشرے کو دوسرے معاشرے سے ممیز کرتی ہے اور ذرا سی واقفیت کے بعد ہم جاپانی، چینی، فرانسیسی اور انگریزی کلچر میں امتیاز کرنے لگتے ہیں۔ طرز عمل کی یہ باضابطگی قومی سطح پر جس معاشرے میں جتنی زیادہ ہو گی، تہذیبی اعتبار سے وہ معاشرہ اسی قدر متحد ہو گا"(۷)

کلچر یا ثقافت دراصل طرز بودوباش کے اس کلیے کا نام ہے جو کسی مخصوص خطے میں زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے۔ یہ نا صرف فرد کا معاشرے سے رشتہ استوار کرتا ہے بلکہ ساتھ ہی ساتھ فرد کے معاشرے سے رشتے کی بحالی میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ کلچر ہی فرد کو معاشرے سے منسلک کرنے کا باعث بھی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے کلچر کے لیے "تہذیب" کا لفظ بھی برتا ہے۔ اپنی تصنیف "پاکستانی کلچر" کے پیش لفظ میں اس بات کا اظہار وہ یوں کرتے ہیں:

> "میں نے جہاں جہاں لفظ 'تہذیبی' استعمال کیا ہے اسے انگریزی لفظ 'کلچرل' کے معنی میں استعمال کیا ہے"(۸)

تہذیب کو دراصل اکثر ثقافت کے متبادل سمجھ لیا جاتا ہے۔ ایک دوسرے سے قدرے قریب ہونے کے باوجود یہ یکساں نہیں ہیں۔ اگرچہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے کلچر کے لیے اس لفظ کا استعمال کیا ہے مگر وہ اس خیال کا اظہار بھی جابجا کرتے ہیں کہ ثقافت اور تہذیب ایک دوسرے کے مترادف نہیں ہیں۔ معنوی نسبت سے یہ ایک دوسرے کے انتہائی قریب تو ہو سکتے ہیں مگر جس طرح آسمان کے لیے فلک اور سورج کے لئے آفتاب کے الفاظ استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ اس طرح سے ثقافت کے لئے تہذیب یا تہذیب کے لئے ثقافت کا لفظ استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ مبہم ہی سہی مگر ان میں معنوی تضاد موجود ہے۔ اس فرق کی وضاحت کے لئے ڈاکٹر جمیل جالبی ان لفظوں کے لغوی مفاہیم سے رجوع کرتے ہیں۔ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> "کلچر کے سلسلے میں اب تک ہمارے ہاں دو لفظ استعمال ہوتے رہے ہیں۔ ان میں سے ایک لفظ "تہذیب" ہے اور دوسرا لفظ "ثقافت" ہے۔ تہذیب کا لفظ صدیوں سے ناصرف ہماری زبان بلکہ عربی و فارسی میں مستعمل ہے۔ عربی زبان میں لفظ تہذیب کے لغوی معنی ہیں درخت تراشنا، کاٹنا اور اس کی اصلاح کرنا۔ فارسی زبان میں اس لفظ کے معنی ہیں آراستن و پیراستن، پاک و درست و اصلاح نمودن۔۔۔۔ اگر ان معنی پر غور کیا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ لفظ "تہذیب" ان چیزوں سے تعلق رکھتا ہے جن کا تعلق ہمارے ظاہر سے ہے"(۹)

اب لفظ ثقافت کے مفاہیم پر غور کیجیے:

> "دوسرا لفظ "ثقافت" ہے۔ "لسان العرب" میں اس کے معنی یہ بتائے گئے ہیں کہ علوم و فنون و ادبیات پر قدرت و مہارت۔ کسی چیز کو تیزی سے سمجھ لینا اور اس میں مہارت حاصل کرنا، سیدھا کرنا۔ گویا یہ لفظ ان چیزوں سے تعلق رکھتا ہے جن کا تعلق ہمارے ذہن سے ہے۔" (۱۰)

ڈاکٹر جمیل جالبی نے کلچر پر تنقید کے دوران جن نتائج کا استخراج کیا ہے ان کے مطابق لفظ تہذیب ایک ظاہری شے ہے اور اس کا تعلق خارجی چیزوں سے ہے گویا تہذیب دراصل خارج بین ہے جبکہ ثقافت ایک باطنی شے ہے جس کو کسی خطے یا قوم کی باطنی خصوصیات سے منسلک کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسے پیش کی جاسکتی ہے کہ تہذیب اگر خوش گفتاری اور بات کرنے کا دل کش سلیقہ ہے تو ثقافت اسی خوش گفتاری کا باطن ہے یعنی وہ الفاظ جن کے ذریعے بات کو خوش گفتار بنایا جا رہا ہے۔ اردو زبان کے یہ دونوں ہی لفظ انگریزی کے لفظ کلچر کے متبادل کے طور پر استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ تاہم اپنی اپنی جگہ پر ایک دوسرے کے مفاہیم سے استفادہ کئے بغیر یہ دونوں الفاظ کسی قدر ادھورے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

"پاکستانی کلچر" میں کلچر یا ثقافت کی وضاحت صراحت سے کرنے کے علاوہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے بالخصوص پاکستانی کلچر کو بھی اپنی تنقید کا موضوع بنایا ہے۔ان کی اس اہم تنقیدی کتاب "پاکستانی کلچر" کے ابواب ہی خاصے معنی خیز ہیں۔تہذیب وثقافت کو ڈاکٹر جمیل جالبی نے قومی یکجہتی کا ایک بہت بڑا ستون قرار دیا ہے۔اپنی اس تنقیدی کتاب میں انہوں نے اس موضوع پر دو ابواب میں مفصل تبادلہ خیال کیا ہے۔پاکستان ہو یا کوئی بھی اور خطہ ہر قوم اپنی تہذیب اور ثقافت کی بنا پر دوسری اقوام سے جداگانہ حیثیت کی حامل ہوتی ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی کے نزدیک ثقافت ان عوامل میں سے ایک ہے جو کسی قوم کو باہمی رشتے میں پیوست رکھتے ہیں۔اس ضمن میں زبان، کلچر کی سب سے اہم کڑی ہے۔ان کے مطابق قومی یک جہتی دراصل ایسی خصوصیت ہے جو ایک ملک کے مختلف خطوں کے اشتراک کا مظہر ہے۔جب یہ تمام خطے اپنے طرز فکر و عمل میں ایک دوسرے کے نزدیک ہو جائیں تو قوم کے اتحاد کی ضمانت بن جاتے ہیں۔قومی یکجہتی کا یہ عمل کلچر کو بڑی حد تک اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جو قوموں کی داخلی وحدت کا ایک پہلو ہے۔پاکستانی کلچر کو سمجھنے کے لئے ڈاکٹر جمیل جالبی نے پاکستانی تاریخ کو مد نظر رکھا ہے۔پاکستانی ثقافت کی اس کھوج میں انہوں نے اس خطے کی پانچ ہزار سال قدیم تاریخ کو بھی کھنگال ڈالا ہے۔پاکستانی کلچر کی بہتر تفہیم کی جستجو ان کی تنقید کا خاصہ ہے۔درج ذیل اقتباس سے ان کی اس کرید کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

> "ہر قوم اپنے کلچر سے پہچانی جاتی ہے۔جیسے ہم جاپانی، فرانسیسی، انگریز اور چینی کو اس کے اپنے الگ اور ممتاز کلچر سے پہچانتے ہیں، اسی طرح ہماری بھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ "پاکستانی" بھی اپنے ممتاز کلچر سے پہچانا جائے۔ایسے میں یہ سوال کہ پاکستانی کلچر کیا ہے بذات خود اس بات کی علامت ہے کہ ہم اپنے قومی کلچر کی وہ نمایاں خصوصیات، محرکات اور عوامل دریافت کرنا چاہتے ہیں جو بحیثیت مجموعی ایک پاکستانی باشندے میں موجود ہیں اور ساتھ ساتھ دوسرے ملکوں کے باشندوں سے مختلف ہیں۔یہی وہ خصوصیات اور عوامل ہیں جو ہمارا طرز فکر و عمل متعین کرتے ہیں اور انہی کے زیر اثر ہمارا ذہنی ماحول متشکل ہوتا ہے۔"(۱۱)

پاکستانی کلچر کو سمجھنے کے لئے ڈاکٹر جمیل جالبی نے نا صرف تاریخ بلکہ اس خطے کی جغرافیائی خصوصیات کا بھی عمیق نظری سے مطالعہ کیا ہے۔اپنی پہچان کی کرید اور جستجو کوئی مجرد شے نہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانوں میں یہ کرید پائی جاتی ہے۔بحیثیت پاکستانی ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنے کلچر کو سمجھنے کے لیے اپنی قوم کے مذہبی اور لسانی تصورات کے ساتھ ساتھ تاریخ کا جائزہ بھی لیا ہے۔برصغیر کی اس تاریخ کے ڈاکٹر جمیل جالبی کے نزدیک دو دھارے ہیں۔پہلا دھارا وہ ہے جو اس خطے کی ثقافت کو پانچ ہزار سال قبل کی ثقافت سے جوڑتا ہے۔اس ثقافت کی کڑیاں ملانی ہوں تو موہن جوداڑو کی وادیٔ سندھ کی تہذیب، گندھارا تہذیب اور ٹیکسلا کی تہذیب کا مطالعہ کرنا ہوگا تبھی پاکستانی کلچر کو سمجھا جاسکتا ہے۔دوسری طرف پاکستانی کلچر کے مذہبی عناصر کو سمجھنا ہو تو اس ہزار سالہ تہذیب کا مطالعہ کرنا ہوگا جو محمود غزنوی کے حملوں سے لے کر مغلیہ سلطنت کے زوال پر منتج ہوتی ہے۔ان دونوں پہلوؤں کے اختلاف نے نہ صرف ہمارے کلچر کو ایک جداگانہ حیثیت عطا کی ہے بلکہ ساتھ ہی ساتھ اس میں وہ تضاد پیدا کردیا ہے جو دیگر اقوام کے کلچر میں نہیں پایا جاتا۔تاریخ کی اس متضاد نفسیات کا مطالعہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی تنقید میں بطور خاص پیش کیا ہے۔بالخصوص مذہب اور کلچر کے حوالے سے انہوں نے اپنی کتاب "پاکستانی کلچر" میں دو ابواب پر مشتمل مباحث پیش کیے ہیں۔

مذہب انسانی زندگی کی وہ اکائی ہے جو انسان کے رویوں، جذبات اور طرز معاشرت پر بڑی حد تک غالب ہوتا ہے۔آج کا مغربی معاشرہ بڑی حد تک مذہب سے دوری اختیار کر چکا ہے۔اس دوری کا انہیں فائدہ ہوا یا نقصان؟ یہ ایک نا ختم ہونے والی بحث ہے۔لیکن مشرقی معاشرے بالخصوص پاک و ہند میں مذہب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔بلکہ بھارت اور پاکستان دونوں ممالک کی تقسیم اور ان کے قیام میں جو بنیادی عوامل کار فرما تھے ان میں سب سے توانا مذہب ہی ہے۔ اس لیے اس خطےّ کے کلچر یا ثقافت سے مذہب کو یکسر الگ کر کے دیکھنا ممکن ہی نہیں۔مذہب اور کلچر کے موازنے میں ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس خطے میں موجود مختلف مذاہب سے مثالیں پیش کی ہیں۔پاکستانی کلچر کے سلسلے میں ان کے ہاں اسلام کو قرارواقعی حیثیت حاصل ہے اس لئے مذہب اسلام کے متعلق انہوں نے کئی مباحث اٹھائے ہیں۔مذہب اور کلچر کی وضاحت کے حوالے سے اپنی تنقیدی کتاب ''پاکستانی کلچر'' میں کچھ یوں رقم طراز ہیں:

> "اسباب میں قومی کلچر کے تعلق سے اس بنیادی مسئلہ کا جائزہ لیا جائے گا جس پر اس نئی مملکت کی بنیاد رکھی گئی تھی اور اس بات کا بھی کہ مذہب جدید دور میں کن مسائل سے دوچار ہے اور ان مسائل کی طرف ہمارا کیا رویہ ہے؟ کیا مذہب کی ہمیں آج بھی ضرورت ہے، اور اگر ہے تو اس کی کیا نوعیت ہے؟ کیا مذہب زندگی کے نئے تقاضوں کی پیچیدہ گتھیاں سلجھانے کی اب بھی اہلیت رکھتا ہے؟ کیا ہمیں اپنے مذہب کا جائزہ پوری زندگی کے تعلق سے لینا چاہیے یا اسے ایک الگ خانے میں رکھ کر رسوم، عبادات اور حصول ثواب کا ذریعہ بنا لینا کافی ہے؟ کیا مذہب ہماری معاشرتی، سیاسی اور معاشی ترقی میں روڑے اٹکا رہا ہے یا وہ ہمیں آگے بڑھانے میں ایک فعال قوت کا درجہ رکھتا ہے؟"(۱۲)

مذہب اور کلچر کی اس گتھی کو سلجھانے کے لیے ڈاکٹر جمیل جالبی نے دنیا کی دیگر اقوام کے مذاہب اور ان کی ثقافت سے اس کے موازنے کو بھی زیر مطالعہ رکھا ہے۔ہمارے یہاں موجود دونوں پہلوؤں یعنی مذہب سے بالکل بیزاری اور مذہب سے شدید لگاؤ کے رویوں کو بھی ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی تنقید میں خصوصی جگہ دی ہے۔اس تمام بحث کے بعد وہ جس نتیجے پر پہنچتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ دونوں رویے یا قوتیں ایک دوسرے کے ناصرف متضاد بلکہ ایک دوسرے سے بر سر پیکار ہیں۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے ان دونوں ہی رویوں کی شدت پسندی پر کڑی تنقید کی ہے۔وہ مذہب کے نام پر بننے والے مختلف فرقوں اور ان کے نام نہاد داعیوں کی خودغرضانہ خواہشات کے بھی خلاف ہیں اور ان کے پیش کردہ ان اقدامات کے بھی جو مذہب کو زندگی کی حقیقتوں سے آشنا ہونے سے روکتے ہیں۔قرآن و سنت اور دیگر اکابرین کے حوالے سے انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام روحانیت کے سہارے زندگی کے مسائل حل کرنے کا درس نہیں دیتا بلکہ رہبانیت یا دنیا داری سے بالکل کٹ کر رہنا بھی اسلام میں جائز نہیں۔دنیا میں موجود تمام مذاہب میں اسلام سب سے زیادہ عملی مذہب ہے جو ایک

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

ایسا لائحہ عمل پیش کرتا ہے کہ زندگی کی حقیقتوں میں مذہب کا حصہ متعین کر کے ان دونوں کو باہم متصل کیا جا سکے۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی تنقید میں ان دونوں عوامل کی متناسب شمولیت کے ذریعے قوم کی فلاح کا نکتہ پیش کیا ہے۔اس ضمن میں یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم وہ ہیں جو ہمارے کلچر نے ہمیں بنایا ہے تو اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ ہم اس کلچر کے تصور حقیقت یا نظامِ خیال کی شکل پر پیدا ہوئے ہیں۔ہمیں خود کو بدلنے کی ضرورت ہے اور تشکیل کے معنی یہ ہیں کہ کسی کلچر کے تصور حقیقت کی قلب ماہیت کی جائے تاکہ اس کی شکل پر انسان پیدا کیے جا سکیں- تو اس کے معنی بھی یہ ہوں گے کہ ہمیں اپنے نظام خیال پر ازسرنو غور کرنے کی ضرورت ہے تاکہ نئے تناظر میں رکھ کر اس میں نئے معنی تلاش کئے جاسکیں جو معاشرے کے سارے ذہنی اور روحانی و مادی تقاضوں کو پورا کر سکیں۔یہ بات کوئی نئی بات نہیں۔اگر کہا جائے کہ ہر کلچر اور اس کا نظام اپنا الگ تصورِحقیقت رکھتا ہے اور جس کی وجہ سے ایک کلچر دوسرے کلچر سے الگ دکھائی دیتا ہے تو یہی تصور حقیقت اس کلچر کی مابعد الطبیعات ہے۔آیئے یہ دیکھیں کہ ہماری مابعدالطبیعات کیا ہے اور ہمارے ائمہ نے اپنی اور وقت کی ضرورت کے مطابق تاویل کر کے ہمیں کس قسم کا تصور حقیقت دیا ہے۔ہماری مابعدالطبیعات کی بنیاد قرآن ہے۔"(۱۳)

ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی تنقید میں برملا اس بات کا اظہار کیا ہے کہ ان کی بحث سے یہ تاثر قبول کیا جا سکتا ہے کہ وہ روحانیت کے خلاف بات کر رہے ہیں۔درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس روحانیت کے خلاف ہیں جو بدلتی ہوئی زندگی کے تقاضوں کے ساتھ ہمیں ہم آہنگ کرنے میں ناکام ہے۔جدید سائنسی علوم سے دوری اور جدت خیال سے اجتناب کے رویے پر انہوں نے خاصی کڑی تنقید کی ہے وہ اقبال کے اس خیال کے حامی دکھائی دیتے ہیں کہ آئین نو سے ڈر کر اور طرز کہن پر اڑ کر کوئی بھی قوم ترقی نہیں کر سکتی خواہ وہ مذہب کو کتنا ہی اپنے سینے سے لگائے پھرتی ہو۔اگر مذہب دنیا کے متوازی نہیں چلے گا تو اس قوم کی ترقی کا عمل رک جائے گا اور سارے کا سارا کلچر ایک ذیلی کلچر بن کر رہ جائے گا جس کی نہ کوئی واضح سمت ہو گی اور نہ ہی کوئی اپنی جہت متعین کی جا سکے گی۔اپنی تنقید سے ڈاکٹر جمیل جالبی نے جن نظریات کا استخراج کیا ہے ان کی بنیاد اسی خیال پر ہے کہ پاکستانی کلچر میں مذہب اور جدیدیت کے متوازی امتزاج کو جگہ ملنی چاہیے۔یہاں تک کہ اپنی تنقید میں وہ خود بھی ایک ایسے جدید انسان کے روپ میں ابھرتے ہیں جو روایت کا سرا تھام کر اپنی تنقید کو کلچر جیسے مسائل کے لیے وقف کر دیتا ہے۔اس ضمن میں مدثر علی کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"جالبی صاحب کے ہاں ہمیں تنقید اور نقاد کی بھی نئی توجیہہ نظر آتی ہے۔وہ تنقیدی شعور کو اپنی اور معاشرتی روایات سے الگ تھلگ دیکھنا نہیں چاہتے۔وہ فکری شعور کو کلچر کی عکاسی کرتے دیکھنا چاہتے ہیں۔اس کام کے لئے وہ تنقید کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں۔ان کے نزدیک تنقید ہی وہ اہم ذریعہ ہے جس سے ادب، معاشرت، تہذیب، اجتماعی شعور اور نئے دور کے تقاضوں کو سمجھا جا سکتا ہے۔وہ تنقید کو تخلیق سے کم تر نہیں سمجھتے۔ان کے نزدیک اکثر و بیش تر تنقید ہی ادبی رجحانات، ادبی تقسیم اور اصل مسائل کو اجاگر کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔تنقید کا کام ہے کہ وہ ادب کی سمت کا تعین کرے، اس میں نئی نئی راہیں تلاش کرے اور جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرے۔"(۱۴)

اردو ادب میں، کلچر اور تنقید کے اس باہمی تعلق کو توانا بنانے میں سب سے بڑا کردار ڈاکٹر جمیل جالبی نے ادا کیا ہے۔وہ کلچر، ادب اور تنقید کی اس تکون کو اتنا اہم سمجھتے ہیں کہ ان کی تنقید کا زیادہ تر دارومدار کلچر اور ادب ہی کے مسائل پر ہے۔کلچر اور ادب کے حوالے سے ان کی کتاب "پاکستانی کلچر" کو اگرچہ زیادہ شہرت حاصل ہوئی اور ان کے نظریات نے دنیائے ادب میں اپنی جگہ فوراً بنا لی تاہم بعد میں آنے والی ان کی کتب بھی کسی طور غیر اہم نہیں بلکہ یہ کہا جائے کہ آنے والی کتب میں ان کے عقائد مزید راسخ اور پختہ کارہوکر ہمارے سامنے آ جاتے ہیں تو بے جا نہ ہو گا۔انہوں نے اپنی تنقید کا ایک کثیر حصہ تنقید، ادب اور کلچر کے باہمی تعلق کے لئے وقف کئے رکھا اور اس موضوع پر ان کئی تخلیقات موجود ہیں۔اگرچہ سب سے زیادہ شہرت ان کی تنقیدی کتاب "پاکستانی کلچر" ہی کو حاصل ہے مگر اس موضوع پر لکھی گئی ان کی ایک اور کتاب "ادب کلچر اور مسائل" بھی بے حد اہمیت کی حامل ہے۔احمد ہمدانی کی، اس کتاب کی افادیت اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں کلچر اور تنقید کے باہمی تعلق کو ملنے والی اہمیت کے حوالے سے، رائے دیکھیے:

"اب تک ہماری توجہ کا مرکز جمیل جالبی کی صرف ایک کتاب "پاکستانی کلچر" ہی ہے۔ان کی دوسری کتاب جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ اس کا عنوان "ادب کلچر اور مسائل" ہے جس میں ان کے 56 مضامین شامل ہیں۔ان مضامین میں انہوں نے ادب کو بھی کلچر ہی کے آئینے میں دیکھا ہے۔ادب سے قطع نظر انہوں نے مختلف سماجی اور سیاسی مسائل پر بھی گفتگو کی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کلچر کے بارے میں ان کے تصورات جگہ جگہ ابھر کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔شعر و ادب کو کلچر سے جوڑ کر دیکھنے کا یہ رویہ ہمیں ٹی ایس ایلیٹ کی یاد دلاتا ہے۔"(۱۵)

تنقید میں کلچر ڈاکٹر جمیل جالبی کا سب سے پسندیدہ موضوع ہے. اس موضوع پر انہوں نے ان گنت تنقیدی مضامین تحریر کئے ہیں۔اگرچہ ثقافت اور کلچر کے سلسلے میں ان کو تنقید کے میدان میں اولیت تو حاصل نہیں مگر بلاشبہ ان کا نام ایسے نقادوں میں شامل ہے جنہوں نے اس موضوع میں گراں قدر اضافے کئے ہیں۔یہ سفر انیسویں صدی میں سرسید احمد خان سے شروع ہوا جنہوں نے اپنے حقیقت نگاری پر مبنی مضامین کے ذریعے تنقیدی شعبے میں اس فکر کو جگہ دی تاہم حقیقی معنوں میں دیکھا جائے تو یہ ڈاکٹر جمیل جالبی ہی تھے جنہوں نے کلچر کو تنقید کا ایک باقاعدہ شعبہ بنا دیا۔

کلچر وہ موضوع ہے جس میں ڈاکٹر جمیل جالبی کی تنقیدی آرا ایک سند کا درجہ اختیار کر چکی ہیں۔کلچر کے حوالے سے لکھا گیا مخصوص مواد ہو یا پھر متفرق تنقیدی مضامین سب میں ڈاکٹر جمیل جالبی نے کلچر کے حوالے سے کچھ نہ کچھ تنقیدی نقطہ نظر پیش کیا ہے۔اس ضمن میں پروفیسر ڈاکٹر نعیم تقویٰ لکھتے ہیں

"کلچر سے متعلق ڈاکٹر جمیل جالبی نے اتنا زیادہ اور اتنا بامقصد مواد فراہم کیا ہے کہ انہیں اس موضوع پر سند کا درجہ حاصل ہے۔ " نئے معنی کی تلاش" ان کا اگرچہ یہ ایک عام مضمون ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اس میں بھی کلچر پر نئے سوالات اٹھائے ہیں اور ان کے تسلی بخش جوابات تحریر کیے ہیں۔" (۱۶)

اس مختصر مگر معنی خیز اقتباس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ انہوں نے کلچر کو بطور موضوع اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا اور آخری دم تک اس موضوع میں اضافے کے لیے سرگرداں رہے۔اس حقیقت میں بلاشبہ کوئی دو رائے نہیں کہ کلچر کے موضوع پر ان سے بہتر نقاد اردو ادب میں موجود نہیں۔انہوں نے کلچر کی ماہیت اس کے دائرہ کار اور تمام تر جملہ لوازمات کا احاطہ کرتے ہوئے اپنی تنقید کو اس قدر تناور بنا دیا کہ اس موضوع پر لکھنے والے سبھی نقادوں نے ان سے استفادہ کیااور کرتے رہیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ نعیم تقوی،ڈاکٹر،پروفیسر،تنقید و تعبیر،کراچی: غضنفر اکیڈمی،۱۹۹۴ء، ص۱۸۵

۲۔ فہیم اعظمی، آراء، کراچی: مکتبہ صریر،۱۹۹۷ء، ص۲۸۲

۳۔وزیر آغا،ڈاکٹر، قومی زبان اور قومی کلچر، مضمون مشمولہ: کلچر (منتخب تنقیدی مضامین)، اشتیاق احمد،لاہور: بیت الحکمت،۲۰۰۷ء، ص ۵۳۳

۴۔ نظیر صدیقی، ثقافت اور اس کے عوامل۔بیرونی اثرات، مضمون مشمولہ: کلچر (منتخب تنقیدی مضامین)، اشتیاق احمد،لاہور: بیت الحکمت،۲۰۰۷ء، ص۲۹۵

۵۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،پاکستانی کلچر، کراچی: نیوز مجاز پریس،۱۹۹۷ء، ص ۴۰

۶۔ ایضاً، ص۴۵

۷۔ ایضاً،ص۴۶

۸۔ایضاً، ص۱۲

۹۔ایضاً، ص۴۱

۱۰۔ایضاً، ص۴۲

۱۱۔ایضاً،ص۵۹

۱۲۔ایضاً، ص۱۰۶

۱۳۔ایضاً، ص۱۱۷

۱۴۔ مدثر علی، روایت اور تنقید: جمیل جالبی کی نظر میں،مرتبہ: ارمغان جمیل، زاہد منیر عامر ،لاہور: پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج،۲۰۲۰ء،ص۱۲۴

۱۵۔احمد ہمدانی، ڈاکٹر، جمیل جالبی کا تصور ادب و کلچر، مشمولہ: قومی زبان، شمارہ اکتوبر۲۰۱۹ء، ص۱۱۸

۱۶۔ نعیم تقوی،ڈاکٹر،پروفیسر،تنقید و تعبیر، ص۱۸۶